قال الحافظ ابن حجر :

"الذین اجازوا الاقتصار علی مسح العمامۃ شرطوا فیہ المشقۃ فی نزعہا کما فی الخف وطریقہ ان تکون محکمۃ کعمائم العرب" (فتح الباری طبع دمشق ص۱۵۴)

ان ائمہ کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ : مسح سے غرض تخفیف ، یسر ، ازالہ حرج اور حاجت ہے - پاؤں کو "جکڑنا اور رقید کرنا" نہیں ہے - فقہاء کرام کی قیود اور شروط سے یوں مترشح ہوتا ہے جیسے پاؤں کو آرام پہنچانا مقصود نہیں ہے -

بہر حال "جورابوں" پر مسح جائز ہے جیسا کہ خفین پر ، کیونکہ "حرج" کی صورت دونوں میں "قدر مشترک" ہے - جرابوں سے غرض پاؤں کی حفاظت ہے ، سردی سے ، گرمی سے ، گرد و غبار سے - اب اگر کوئی انہی مصالح حاجیہ کی بناء پر پہن لیتا ہے تو اسے اجازت ہے کہ بار بار کی ادھیڑ بن میں نہ پڑے ، ان پر مسح کر لیا کرے - ایسے سادہ سے مسئلہ کو فقہی موشگافیوں سے چیستاں بنانے سے پرہیز کیا جائے تو کیا ہی اچھا ہو !

---

(۲)

مولانا محمد عبید اللہ عفیف

چک شفیع ضلع ساہیوال سے مولانا احمد دین انصاری لکھتے ہیں :

جمعہ کی دوسری اذان مسجد کے اندر کہی جائے یا باہر ؟ —— والسلام !

الجواب بعون الوہاب :

اذان خواہ پہلی ہو یا دوسری ، ہر دو اذانوں کا مقصود نمازیوں کو اطلاع دینا ہے کہ اب جمعہ کا وقت ہو چکا ہے یا اب خطبہ شروع ہونے کو ہے - اس لئے اس مقصد کے حصول کیلئے جہاں بلند آواز مؤذن کی ضرورت ہے وہاں اذان کے لئے ایسی موزوں جگہ بھی مطلوب ہے کہ جہاں سے آواز زیادہ دور تک جا سکے - تاکہ نمازی پوری طور پر مسجد میں آجائیں اور حاضرین مسجد خطبہ سننے کیلئے تیار ہو جائیں - اس لئے یہ سوال خارج از بحث ہے کہ دوسری اذان مسجد کے اندر ہونی چاہیئے یا امام کے سامنے اذان پڑھنی ضروری ہے - اسی طرح یہ بات بھی غیر معقول ہے کہ اذان منبر سے کتنی دور ہونی چاہیئے ! قابل غور صرف دو باتیں ہیں - ایک یہ کہ مؤذن خوش الحان اور بلند آواز ہو - اور دوسری یہ کہ اذان

مسجد کے حلقے کے اندر ایسی جگہ پر ہو جو اذان کے لئے مناسب ہو اور بس! چنانچہ حافظ محمد عبید اللہ روپڑی اپنے فتاوی میں رقم طراز ہیں:

"اذان سے مقصود اعلان ہے خواہ اذان پہلی ہو یا خطبہ کی۔ پس جو جگہ اعلان کے لئے زیادہ مناسب ہے، وہاں ہونی چاہیئے۔ اگر امام کے سامنے موزوں جگہ ہو تو سامنے ورنہ کوئی اور موزوں جگہ دیکھ لی جائے۔ خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر اور خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف۔ مسجد نبوی میں سامنے موزوں جگہ تھی اس لئے سامنے ہوتی تھی۔ جگہ کی تعیین کو اذان میں داخل کرنا اذان کی نشاء کے خلاف ہے۔ اس طرح کوئی کہنے والا کہہ دے گا کہ تم نے امام کے سامنے ہونے کی شرط کی ہے، ہم یہ شرط کرتے ہیں کہ مسجد کے دروازے پر ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔ اگر مسجد کا دروازہ سامنے نہ ہو تو مشکل پڑے گی ۔ ایک اور اٹھے گا کہ مینارہ پر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ امام مالک سے روایت ہے کہ: "انہ لم یکن من زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین یدیہ بل علی منارۃ" (آپؐ کے زمانہ میں اذان آپؐ کے سامنے نہ تھی بلکہ منارہ پر تھی) ۔ امام مالک کی مراد سامنے سے نفی کرنے کی یہ ہے کہ مسجد کے اندر نہ تھی جو عام طور پر نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور نہ دوسری روایتوں میں سامنے ہونے کی تصریح ہے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا دروازہ سامنے تھا اور وہیں مینار تھا ۔ اس پر اذان ہوتی تھی۔ تو اب کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اذان کیلئے یہ تینوں شرائط ضروری ہیں:

(۱) سامنے بھی ہو (۲) دروازہ پر بھی ہو (۳) اور منارہ پر بھی ہو ۔ ایک اور اٹھے گا اور اس سے بھی زیادہ تنگی کرتا ہوا کہہ دیگا کہ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منبر سے جتنے فاصلہ پہ اذان ہوتی تھی، اتنے ہی فاصلہ پر اب بھی ہونی چاہیئے۔ مثلاً منبر ایسی جگہ بچھایا جائے کہ فاصلہ اس سے کم و بیش نہ ہو، بلکہ کوئی مینار کی بلندی کے اندازہ کی بھی پابندی کرنے لگ جائیگا۔ غرض اسی طرح خصوصیتیں پیدا کرنی شروع کر دیں تو احکام میں بہت تنگی پیدا ہو جائے گی بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ناممکن ہو جائیگا ۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر حکم کے حسب حال کوئی خصوصیت ہو ۔ اذان سے مقصود جب اعلان ہے تو خصوصیت جگہ کس طرح سمجھ لی جائے؟ ہاں مسجد کے متعلقات میں ہونی ضروری ہے تاکہ لوگ اس طرف آئیں اور اونچی جگہ بھی اس کے حسب حال ہے ۔ کیونکہ آواز دور جاتی ہے ۔ اس بنا پر امام ابن الحاج مالکی 'مدخل' میں لکھتے ہیں:

"ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنارة"

یعنی "مسنون طریقہ اذان جمعہ میں یہ ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے تو مؤذن منار پر ہو۔ اس عبارت میں دو خصوصیتیں ذکر کی ہیں۔ ایک مینار پر ہو، دوسرے امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت اذان کا ہونا۔ اسی طرح مؤذن کا بلند آواز ہونا یا خوش آواز ہونا وغیرہ۔ اس قسم کی تمام خصوصیات اذان کے حسب حال ہیں۔ اگرچہ واجبات نہیں ہیں مگر کسی نہ کسی طریق سے اذان کیلئے مفید شے ہیں۔ لیکن امام کے سامنے ہونا یا دروازہ پر ہونا، امام کے دائیں بائیں ہونا یا اتنے فاصلے پر ہونا یا اندر ہونا یہ تو کوئی ایسی اشیاء نہیں جو اذان کے حسب حال ہوں۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے یہ شرع میں معتبر ہیں۔ دیکھئے حج خاص مواضع سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اس میں ہوتا ہی یہ ہے کہ کسی جگہ گزرنا یا کسی جگہ ٹھہرنا یا کسی جگہ دوڑنا یا کسی جگہ چکر کاٹنا، کسی جگہ کچھ پڑھنا وغیرہ۔ اس میں اپنے وطن کو واپسی کے وقت محصب وغیرہ کے نزول میں صحابہؓ کا اختلاف ہے۔ تو اذان وغیرہ جس کو جگہ سے تعلق نہیں، کس طرح فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اندر ہے یا باہر، آگے ہے یا دائیں بائیں وغیرہ۔ بسا اوقات عمارات کی رو سے ایک جگہ موزوں ہوتی ہے، دوسری جگہ میں دوسری جگہ۔ پس صرف مسجد نبوی کے سامنے ہونے سے یہ مراد لینا کہ سب جگہ ایسا ہی چاہیئے، ڈبل غلطی ہے اور راسرار حکم شرعیہ سے کوسوں دور ہے! (فتاویٰ اہل حدیث صفحہ ۱۰۳ ج ۲)

بہرحال اذان کے لئے مناسب جگہ ہونی چاہیئے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، امام کے سامنے ہو یا ادھر ادھر۔ آج کل لاؤڈ سپیکر ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی جگہ کی تعیین ویسے ہی ختم ہو گئی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب!

بقیہ صفحہ ۳۲ سے آگے:

سے "انا المکفر" کی زور سے آواز آ رہی تھی۔" (صفحہ ۸ تحفۂ غزنویہ مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان ۱۹۰۲ء)

اس خواب میں جس فتوئ تکفیر پر حضور رسالتمآبؐ نے علماء ہند کو مبارکباد دی ہے وہ ۱۸۹۱ء والا فتویٰ ہے جس کا ذکر ہماری آج کی نشست میں غالب رہا ہے، اور جن افراد کو مبارکباد دی گئی، ان کے نام بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ پیغمبرؐ سے مبارکباد وصول کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں سے یہ علماء اپنا دامن مالامال کر چکے ہیں۔ انہیں تو اب اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کوئی انہیں یاد کرتا ہے یا فراموش کر دیتا ہے۔ لیکن اخلاق و مروت یہی تقاضا کرتے ہیں کہ اگر ہم انہیں کچھ دے نہیں سکتے تو کم از کم ان کی خدمات کا اعتراف تو کریں